ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیقات کی روشنی میں مطالعۂ سیرت کی نئی جہات

* ثمینہ سعدیہ

رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہر مسلمان کے لیے کامل نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے لیے ہدایات موجود ہیں، خواہ ان کا تعلق روحانیت سے ہو یا یہ انسان کی مادی زندگی پر مشتمل ہوں۔ چنانچہ اسلام تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ درحقیقت صرف آپ ﷺ کی سیرت ہی ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنایا اور اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو ضبط تحریر میں لانے کا کام عہدِ نبوی ﷺ سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے جس طرح اپنے پیغمبر ﷺ کی حیات کے مختلف پہلوؤں اور جزئیات کو محفوظ کرنے کے لیے جدوجہد کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں اور کہیں نہیں ملتی۔ صحیح اور غلط روایات کی چھان بین کرنے اور قابل اعتماد روایات کو قبول کرنے میں جو اصول انہوں نے وضع کیے ہیں انہی کا نتیجہ ہے کہ آج نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت متنوع پہلوؤں کی حامل ہے۔ آپ ﷺ صرف مبلغ وہادی اسلام ہی نہیں بلکہ ایک بہترین منتظم و مدبر حکمران بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اپنی قوم کی روحانی و اخلاقی تربیت فرمائی ہے بلکہ مادی و سیاسی زندگی کی بھی تنظیم و تربیت فرمائی۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھیے تو کسی بھی مصلح، رہنما، قائد، فاتح حتی کہ کسی اور پیغمبر میں بھی بیک وقت اتنے اوصاف نظر نہیں آتے جتنے تنہا رسول اکرم ﷺ کی ذات میں قدرت نے ودیعت کیے ہیں۔

سیرتِ طیبہ کے بے شمار گوشوں پر ائمہ سیرت اور محبانِ رسول ﷺ نے کام کیا مگر عہدِ جدید میں علوم سیرت میں نئی جہات متعارف کروانے اور تحقیقات پیش کرنے میں نمایاں اور منفرد کام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ہے۔

---

* لیکچرار، گورنمنٹ وقار النساء کالج، ٹیپو روڈ، راولپنڈی۔

سیرتِ نبویہ ﷺ کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب کا انداز ایک منفرد خصوصیت کا حامل ہے۔ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے ایک خاص پہلو جو کہ آپ ﷺ کی سیاسی و انتظامی صلاحیت سے متعلق ہے، کو خاص طور پر انتہائی مدلل اور پرزور انداز میں پیش کیا ہے۔ میثاق مدینہ کو آپ نے دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کو نبی اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے سیاسی وثیقہ جات جو کہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور ذہنی برتری کی عکاسی کرتے ہیں کو کتابی صورت میں مدون کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے فوجی نظام اور غزوات کی نوعیت کو نقشہ جات کی مدد سے واضح کیا۔ آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے ضمن میں مختلف قبائل سے تعلقات نیز یہود کی بغاوتوں کے استیصال کو مدلل انداز میں بیان فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ سیاست اور جہاں بانی کے تمام اصول و قواعد سے واقف تھے۔ مسلمانوں کو ایک وحدت میں منسلک رکھنے اور منافقین و یہود اور دیگر قبائل کی شورشوں کا استیصال کرنے اور ملک کے دیگر عناصر سے تعلقات قائم رکھنے کی تمام تدبیروں اور مصلحتوں سے واقف تھے۔

سیاسی خارجہ پالیسی کے ساتھ ساتھ ملک کے اندرونی نظم و نسق کو مستحکم بنانے کے لیے نظام تعلیم، نظام عدالت اور نظام مالیہ کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کو ایک بہترین منتظم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ الغرض ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو ایک ایسے مدبر حکمران کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس نے نہ صرف اقوام عالم کو سیاسی اصول فراہم کیے بلکہ سب سے پہلے خود ان اصولوں پر عمل کر کے دکھایا۔

سیرت نبویہ ﷺ پر ڈاکٹر صاحب کی تحقیقی خدمات نہایت وقیع اور قابل قدر ہیں۔ بلاشبہ آپ کو عہدِ حاضر میں مجددِ علوم سیرت کے لقب سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے اس قدر علمی و تحقیقی کام پر گفتگو کرنا تو ممکن نہیں۔ ذیل میں ہم نے صرف ان نئی جہات کی نشان دہی کی ہے جن پر ڈاکٹر صاحب نے پہلی مرتبہ ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں کام کیا۔ اور بعد ازاں انہیں بنیادوں پر سیرت نگاروں نے مستقل بالذات تصانیف پیش کیں۔ مقالہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا:

① عہدِ نبوی ﷺ کا سیاسی و سفارتی نظام۔

② عہدِ نبوی ﷺ میں نظام مالیہ۔

③ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام تشریع وعدلیہ۔

④ عہدِ نبوی ﷺ کا نظام تعلیم۔

⑤ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام دفاع۔

مطالعات سیرت میں یہ وہ نئی جہات ہیں جن پر پہلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے قلم اٹھایا اور ذخیرہ سیرت سے تمام مواد کو اخذ کیا اور ان عنوانات کے تحت مرتب کیا۔

❶ عہدِ نبوی ﷺ کا سیاسی وسفارتی نظام

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیقات سے مطالعہ سیرت کی نئی جہات سے متعارف کروایا ہے۔ان میں سب سے پہلے سیاسی وسفارتی نظام کا تعارف حسب ذیل ہے:

بعثتِ نبوی کے وقت پوری دنیا میں افتراق وانتشار پھیلا ہوا تھا۔اقوام عالم نہ صرف مذہبی لحاظ سے پستیوں میں گر رہی تھیں بلکہ سیاسی اور حکومت لحاظ سے بھی خانہ جنگیوں کا شکار تھیں کہیں کوئی مستحکم اور منظّم مملکت قائم نہ تھی۔ ہر طرف فساد اور انتشار پھیلا ہوا تھا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں:

> ''غرض اس زمانے میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ وفساد ہی تھا کسی جگہ بلند نظرانہ، عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں۔اور ملک وار قوم وار نسل وار اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لیے ایک بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زمان ومکان کے فرق سے بالا اور جاتیوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض وغایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔'' (۱)

مکہ میں نظم ونسق

قبل از اسلام مکہ میں ایک شہری مملکت قائم تھی۔ جس میں مختلف عہدے مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ مکہ میں مذہبی، سماجی اور سیاسی ہر قسم کے ادارے موجود تھے۔ لیکن ہر قبیلہ خودمختار تھا اور کسی قسم کی کوئی مرکزی حکومت قائم نہ تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو تمام اہل مکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ تمام مسلمانوں کا سماجی مقاطعہ بھی کیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی تحریک صرف ایک تبلیغی اور دعوتی تحریک تھی یا کچھ اور بھی؟ ڈاکٹر حمیداللہ کی تحقیقات کی روشنی میں اس وقت کی مسلم جماعت کے کردار پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ یہ محض ایک دعوتی تحریک نہ تھی بلکہ ایک سیاسی اور سماجی تحریک بھی تھی۔ مکہ کی ریاست کے اندر مسلمانوں نے اپنی علیحدہ ریاست قائم فرمائی تھی۔

ڈاکٹر حمیداللہ کے مطابق:

> ''شہر مکہ میں جو لوگ مسلمان ہوتے رہے، ان کی تعداد بہت ہی آہستہ آہستہ بڑھی، لیکن وہ تھے سارے ہی قبیلوں کے، اور انہوں نے مملکت کے اندر مملکت بنالی وہ مکہ شہر میں رہتے تھے لیکن اگر انہیں عدالتی مسئلے کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ شہر کے ان مشرک افسروں کے پاس نہیں جاتے تھے جن کے پاس عدل گستری کا کام تھا اگر انہیں فوجی دفاع کے سلسلے میں ضرورت پیش آتی تو ان کو مکہ والوں سے امداد کی توقع نہ تھی غرض وہ ہر کام میں رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے جو ان کے قانون ساز بھی تھے، حاکم عدالت بھی، کمانڈر انچیف بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ (۲)

جب تک مسلمان مکہ میں موجود رہے یہی صورتحال رہی۔ مدینہ آنے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ایک منظّم حکومت قائم فرمائی۔

ب) مملکتِ مدینہ

قبل از اسلام مدینہ میں کسی مملکت کا وجود نہ تھا۔ بلکہ مدینہ میں مختلف قبائل آباد تھے۔ عرب قبائل کے علاوہ یہود قبائل بھی آباد تھے۔ ان قبائل میں آپس میں ہمیشہ خانہ جنگی ہوتی رہتی تھی۔ عرب کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر قبول اسلام کے بعد ان کی دشمنی ختم ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق:

> ''نبی اکرم ﷺ نے شہر مدینہ کی آبادی کے جو مختلف عناصر تھے ان سب کے نمائندوں کو بلایا اور ان کے سامنے حکومت قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو اکثریت نے قبول کیا، لکھا ہے کہ صرف چار ''اوسی'' کنبوں نے انکار کیا۔ اس طرح ایک مملکت قائم ہوتی ہے جو ایک شہر پر بھی نہیں بلکہ ایک شہر کے کچھ حصے پر مشتمل ہونے کے باوجود علمی اور تاریخی نقطۂ نظر سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے وہ یوں کہ ایک مملکت میں حکمران اور رعایا کے جو حقوق و فرائض ہوں گے ان کو تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں اس مملکت کا دستور مرتب کر کے سب کے سامنے پیش کیا گیا اور سب کے مشورے سے اسے لکھا گیا۔'' (۳)

ج) مملکتِ مدینہ کی نوعیت

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں جو نظام حکومت قائم کیا وہ نہ جمہوری تھا اور نہ ہی Theocracy۔ یہ حکومت Monarchy نظام سے بھی پاک تھی۔ بلکہ اسلامی حکومت کا حکمران یعنی نبی اکرم ﷺ اللہ کی طرف سے نامزد تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو آپ ﷺ کے احکام کی بھی ویسی ہی تعمیل کرنا تھی جیسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی۔ اس دور میں ماخذ قانون قرآن اور سنت اور قیاس تھے۔ نیز قبل از انبیاء کی سنن بھی واجب التعمیل تھیں جب تک کہ اللہ کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ (۴)

د) دستورِ مملکت

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ آنے کے فوراً بعد ایک دستاویز مرتب فرمائی۔ (۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول:

''یہ اصل میں شہر مدینہ کو پہلی دفعہ ''شہری مملکت'' قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔'' (۶)

یہ دستور ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے اور ۳۲ تک دفعات مہاجرین و انصار کے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس دستور کی سیاسی اہمیت پر مفصل تبصرہ کیا۔ دستور کے مطابق انصاف رسائی اور صلح و جنگ کے مسائل کو مرکزی حیثیت دی گئی۔ سب سے بڑھ کر یہ یہودی اور عرب قبائل سب نے مشترکہ طور پر نبی اکرم ﷺ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی ایک بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اس دستاویز میں آنحضرت ﷺ نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی اعلیٰ ترین اختیارات اپنے لیے محفوظ فرما لیے مگر ایک نہایت اہم اور قابل ذکر فرق اس اقتدار اور دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادیت کو دخل نہ تھا آنحضرت ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کیے۔ اصل سرچشمہ اقتدار خدا کو قرار دیا تو اپنے کو اس کا رسول اور نائب اور ساتھ ہی امت کے لائے ہوئے احکام پر اپنے بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیے۔'' (۷)

مملکت کی تشکیل و قیام کے بعد نبی اکرم ﷺ نے نظم و نسق پر بھی توجہ دی۔ نظم و نسق کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کو ہر چیز آغاز ہی سے پیدا کرنی اور ترقی دینی تھی۔ صرف دس سال کے اندر نبی اکرم ﷺ نے مملکت کے نظم و نسق کو درست قرار دیا اور ایک منظم، مستحکم اور دیرپا سلطنت قائم فرمائی۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی سیاسی اور سفارتی کاوشیں قابل ذکر ہیں ذیل میں نبی اکرم ﷺ نے خارجہ تعلقات پر تفصیلات ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں پیش کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ آنحضرت ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار

قریش سے سیاسی و سفارتی تعلقات کے ضمن میں صلح حدیبیہ جیسے معاہدے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ صلح حدیبیہ کے تفصیلی واقعات سے قطع نظر ڈاکٹر صاحب نے اس کی سیاسی اہمیت پر تبصرہ کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کی ضرورت

کیوں پیش آئی۔اس دور کی اس نازک صورتحال میں اس صلح کے کیا نتائج وثمرات مرتب ہوئے؟ان سوالات کے تفصیلی جوابات ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تحقیقات سے پیش کیے ہیں۔صلح کی سب سے بڑی وجہ جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کی ہے وہ دیگر کتب سیرت میں موجود نہیں ان کا یہ استنباط امام سرخسیؒ کی کتاب المبسوط اور شرح السیر الکبیر (۸) سے ہے۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''یہ مسلمانوں کے لیے بڑا نازک زمانہ تھا۔شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے، شمال مشرق میں فزارہ وغطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی اور جب موقع ملتا یہ مسلمانوں کی بستی پر تاخت کے درپے رہتے تھے۔جنوب میں مکہ تھا جس کی قوت چاہے معاشی طور پر متاثر ہوئی ہو جنگی حیثیت سے برقرار تھی اور وہ سب کے سب غم وغصہ سے بیقرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے.......... ان حالات میں سیاستدانی کا اقتضاء یہی ہوسکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے اس کو دوست ورنہ کم از کم ناطرفدار بنادیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہوجائے گی تو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا اور پھر اسے سرزوری کی جرات نہ ہوگی۔(۹)

ڈاکٹر صاحب نے صلح حدیبیہ کی شرائط بیان کرنے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے متعلق لکھتے ہیں:

''اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے لیے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں اس صلح پر آمادہ ہوجانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع بنالیا۔یہی وہ صلح حدیبیہ جسے آنحضرت ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔'' (۱۰)

اس کے بعد کی سفارتی کوششوں کے نتیجہ میں بحرین وعمان کی ایرانی نوآبادیاں بھی ریاست مدینہ سے ملحق ہوگئیں اور

قریش مکہ کا کوئی مددگار نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو آنحضرت ﷺ نے بغیر خون بہائے مکہ پر قبضہ کرلیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کے مطابق قریش اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی وسفارتی تعلقات بالآخر قریش کے قبول اسلام پر منتج ہوئے۔

عام قبائل عرب سے سیاسی وسفارتی تعلقات

قبائل عرب سے مسلمانوں کے سیاسی وسفارتی تعلقات کے ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ان تعلقات کو تین ادوار میں منقسم کیا ہے۔ ۵ھ سے قبل کے سیاسی تعلقات، ۵ھ سے بعد کے سیاسی تعلقات اور فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے سیاسی وسفارتی تعلقات۔

۵ہجری سے قبل کے سیاسی تعلقات

دفاع مدینہ کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی ایک اہم پالیسی قریش مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنا تھا۔ اس معاشی دباؤ کے سلسلے میں ان قبائل سے جو مدینہ کے اردگرد آباد تھے حلیفی کرنا ایک اہم سیاسی قدم تھا۔ اس دور میں نبی اکرم ﷺ کی سیاست یہ تھی کہ ان قبائل کو قریش کا ناطرفدار بنا دیا جائے۔ چنانچہ ۲ھ صفر میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے جنوب مغرب کے قبائل بنوضمرہ اور بنومدلج سے حلیفانہ معاہدات کیے (۱۱) ڈاکٹر صاحب نے ان معاہدات کے متن نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کے مطابق ان قبائل سے مدامی حلیفی کے معاہدے ہوئے۔ بعض قبائل سے معاہدات کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کی دیگر سیاسی پالیسیوں میں سے مختلف قبائل کے سرداروں کو جاگیریں عطا کی گئیں (۱۲) بنی ضمرہ کی ایک شاخ عبد بن عدی نے ایک وفد بھیج کر آنحضرت ﷺ سے یہ پیشکش کی قریش کے ساتھ مصالحانہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ مسلمانوں کے دوست رہنا چاہتے ہیں اور قریش سے جنگ ایک چیز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی ہر طرح مسلمانوں کے حلیف بننا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''قریش کو دوستوں سے بچھڑانے اور مسلمانوں کے دوست قبیلوں سے گھر لینے کی پالیسی کو اس سے بہرحال مدد ملتی ہے۔'' (۱۳)

بنی ضمرہ کی ایک اور شاخ بنوغفار سے بھی معاہدہ ہوا جب کہ بنی ضمرہ کے رشتہ دار قبیلہ بنوبکر سے مسلمانوں کی چشمک صلح حدیبیہ کے بعد تک رہی۔ قبیلہ مزینہ جو کہ مدینے کے شمال مغرب میں ہے ان سے بھی معاہدہ ہوا اس کی جہت اور مقام کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ اسی اہم تجارتی شاہراہ سے متعلق ہے جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔ گویا آنحضرت ﷺ نے اس علاقے کے ایک سردار کو ایک قیمتی جاگیر دے کر اس کا پابند کیا قریشی آمدورفت کو روکنے میں ہاتھ بٹائے۔'' (۱۴)

مدینے کے شمال میں قبیلہ غطفان کی ایک شاخ اشجع بستی تھی۔ جب دو تین سال کی جدوجہد کے بعد مسلمان اس تجارتی شاہراہ پر نگرانی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تمام قبائل جو کاررواں سرائے کا پیشہ کر کے پلتے تھے بے روزگار ہو گئے تو قبیلہ اشجع نے بھی اس معاشی کساد بازاری کے باعث آنحضرت ﷺ سے حلیفی اختیار کر لی (۱۵) ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہ معرکہ خندق سے پہلے کی سیاست تھی کہ قریش کا تجارتی راستہ بند کر دیا جائے۔

۵ر ہجری کے بعد کے سیاسی تعلقات

غزوہ خندق کے بعد قریش کی قوت ختم ہو کر رہ گئی اور وہ صرف اپنی مدافعت پر مجبور ہو گئے۔ غزوہ خندق کے بعد کی سیاسی صورتحال کے متعلق ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''غزوہ خندق کے بعد آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ قریش کے اقدام کا مد ختم ہو گیا۔ اب جذر شروع ہو گا اور یہ کہ اب مسلمان جوابی اقدام کریں گے۔ حسبِ سیاست میں منفی و تخریبی پہلو کی جگہ اب مثبت اور تعمیری پہلو شروع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے قبائلی معاہدات میں یہ امر ملحوظ رہنا صاف نمایاں ہے کہ مکے کے اطراف اسلام کے دوست قبائل کا گھیراؤ ڈالا جائے۔ قریش کے دشمن تو آسانی سے دوست بن سکتے تھے۔ کوشش کی گئی کہ قریش کے دوست بھی ان کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دوست بنیں یا کم از کم ناطرفدار رہیں۔'' (۱۶)

قبیلہ خزاعہ سے عبدالمطلب نے زمانہ جاہلیت میں نسلاً بعد نسل دائمی حلیفی کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس حلف نامے کو برقرار رکھا۔ خزاعہ کی ایک شاخ قبیلہ اسلم سے بھی حلیفانہ معاہدہ ہوا۔ قبیلہ اسلم کے سردار الحصین بن اوس کو جاگیر عطا فرمائی۔(۱۷)

جذام، قضاعہ اور عذرہ عرب کے شمال میں تبوک کے قرب و جوار میں ان قبائل کا پتہ چلتا ہے۔ ۷ھ فتح خیبر کے بعد ان لوگوں سے تعلقات پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ دومۃ الجندل سے نبی اکرم ﷺ کے سیاسی تعلقات کو ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دومۃ الجندل بھی تجارتی کارروانوں کا ایک اہم جنکشن تھا۔ یہاں کے حکمران اکیدر نے مدینہ آنے والے غلہ کے کارروانوں کو یہاں ستانا اور ہراساں کرنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ فوراً روانہ ہوئے اور کچھ مفسدوں کی سرکوبی کی لیکن جلد ہی آپ ﷺ کو خندق کی تیاری کے لیے واپس لوٹنا پڑا۔ غزوہ تبوک ۹ھ کے موقع پر اکیدر گرفتار ہوا اور جزیہ پر صلح کر لی۔(۱۸)

فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے تعلقات

فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے تعلقات میں مساوات کی جگہ اسلامی برتری اور غلبہ صاف نمایاں ہے۔(۲۹) فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے تعلقات میں طائف اور جرش کا ذکر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے طائف یعنی اہل ثقیف سے جو معاہدہ ہوا اس کا مکمل ترجمہ دیا ہے نیز غزوہ حنین پر مفصل لکھا ہے۔(۱۹)

ایران سے سیاسی وسفارتی تعلقات

عہدِ نبوی ﷺ کے خارجہ سیاسی تعلقات اس وقت تک سمجھے ہی نہیں جاسکتے جب تک کہ ان کے تاریخی پس منظر کو نہ جان لیا جائے یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تمام ممالک کے ساتھ تعلقات کے سیاسی پس منظر کو مختصراً مگر جامع اور مبسوط انداز میں پیش کیا ہے کہ:

- قبل از عربوں کے دیگر ممالک کے ساتھ کیا تعلقات تھے؟
- ان میں ارتقاء کیسے ہوا؟

- عہدِ نبوی ﷺ میں ان تعلقات میں کیا تبدیلی آئی؟
- اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی سیاسی وسفارتی کوششوں کا کیا عمل دخل تھا؟
- ان سفارتی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا۔ بعد کے ادوار میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

ان سب سوالات کا تفصیلی جواب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں واضح ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت نبویہ ﷺ کے اس اہم پہلو کو جس انداز سے اجاگر کیا ہے اس نے انہیں ڈاکٹر صاحب ین سیرت کی صف میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا ہے۔ ایران کے ساتھ عہدِ نبوی ﷺ کے تعلقات کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کا خلاصہ حسب ذیل ہے: ایران کے ساتھ ساتھ سیاسی تعلقات کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
عہدِ نبوی ﷺ سے صدیوں قبل حیرہ میں عربوں نے ایک طاقتور سلطنت قائم کر لی تھی ایرانی شہنشاہوں نے مختلف مصلحتوں سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا بعد ازاں سلطنت حیرہ کے ایرانی سلطنت سے تعلقات بگڑ گئے اور حیرہ والوں کی ایرانیوں کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی اور ذی قار کی جھیل پر جان سے کھیلتے ہوئے بدوؤں نے ایرانی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔

یمن بھی ایرانی مقبوضات میں شامل تھا۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اس کا گورنر لائق باذان تھا۔ حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوب مشرقی عرب کے ساحلی علاقوں یعنی عمان اور الحساء میں بھی ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے۔ عمان میں جلندی بن المتکبر کا خاندان کسرائے ایران کی طرف سے نامزد ہوا تھا۔ بعد میں اسی جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد سے جناب رسالت مآب ﷺ نے تخاطب فرمایا تھا۔ عمان ایک وسیع ملک ہے یہاں کے سردار ہوزہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عطا کی تھی۔ اسی لیے اس کا لقب ذوالتاج مشہور ہو گیا۔ الحساء کے صدر مقام ہجر میں ایرانی فوجی گورنر مرزبان رہا کرتا تھا۔ (۴۰)

ڈاکٹر صاحب کے مطابق ایران وروم سے متعلق نبی اکرم ﷺ کے سیاسی جذبات مکی زندگی میں ہی واضح ہو چکے تھے اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت اور اسلام کی مدد کی ترغیب دیتے تو علاوہ اخروی وروحانی ثواب کے وعدے کے یہ پیشگوئی بھی فرماتے کہ کسریٰ وقیصر

کی دولت تمہارے قدموں پر نچھاور ہوگی۔(۲۱) ڈاکٹر صاحب نے کتب سیرت میں مذکور واقعہ کہ کسریٰ کے حکم سے جب یمن سے دو ایرانی افسر مدینے آئے تو جناب رسالت مآب ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

> ''آج رات میرے رب نے تمہارے رب کو قتل کر دیا ہے۔''

اس غیب گوئی کے پورا ہونے پر گورنر یمن باذان اور دیگر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔(۲۲)

جدید مصنفین سیرت نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اپنی عظمت کی برقراری کے لیے ایسے کسی معجزے کی محتاج نہیں خاص کر جب کہ اس معجزے کا سال کچھ بہت زیادہ مستند ذرائع سے بھی نہیں معلوم ہوتا اور اس کے متعلق خود عرب مولف متضاد باتیں کرتے ہیں۔''(۲۳)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ''المجموعه الوثائق السیاسیه فی العهد النبوی والخلافه الراشده'' میں ایرانی مقبوضات اور کسریٰ کے گورنروں کے نام لکھے ہوئے اٹھانوے خطوط کا ذکر کیا ہے۔ بحرین کے گورنر منذر بن ساوی کو لکھے گئے بارہ خطوط کا ذکر کیا ہے ان خطوط کے متن کا مطالعہ کرنے سے اس دور کی پوری سیاسیات واضح ہو جاتی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ کس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذہنی فراست اور سیاسی بصیرت کی بدولت ایرانی مقبوضات بحرین، عمان، یمن اور الحساء وغیرہ کو ایرانی سلطنت سے توڑ کر مملکت اسلامیہ میں شامل کرلیا۔ ایرانی مقبوضات میں ڈاکٹر صاحب نے بحرین، یمامہ، عمان، نجران، نصاریٰ نجران اور یمن، حضرت موت بکر وائل اور تمیم کے نام لکھے گئے سیاسی وثیقہ جات کا ذکر کیا ہے۔

روم سے سیاسی وسفارتی تعلقات

عہدِ نبوی ﷺ کے رومیوں سے تعلقات بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے عربوں اور رومیوں کے عہد نبوی ﷺ سے قبل کے سیاسی تعلقات کے پس منظر کو بیان کیا ہے کیونکہ عہدِ نبوی ﷺ کی سیاسیات کو اس وقت تک صحیح

سمجھا ہی نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کے تاریخی پس منظر کو نہ جان لیا جائے۔ روم یا بیزنطینیوں سے تعلقات کے ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

بیزنطینیوں نے دمشق میں اپنی سلطنت قائم کی۔ دمشق میں پہلے قبیلہ ضجعم برسراقتدار تھا مگر قبیلہ غسان نے ضجعم کے ساتھ جنگ کر کے انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا اس پر غسانی سردار ثعلبہ کو شہنشاہ دیقیوس نے ایک تاج شہریاری بھی عطا کیا بیزنطینی اثرات رفتہ رفتہ پھیلتے چلے گئے اور شام سے گزر کے فلسطین اور پھر خود شمالی عرب تک حاوی ہو گئے۔ معان، اذرح، جرہا، ایلہ، مقنا اور دومۃ الجندل مقامات کے علاوہ قبائل کلب، تغلب، لخم، جذام، قین، بلی اور قضاعہ وغیرہ پر بھی یہی اثرات کارفرما تھے۔ ان قبائل کا قیصر روم کی جانب سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور معاش یا وظیفہ مقرر تھا۔ ان عرب قبائل پر قانون کا اطلاق نہ تھا بلکہ یہ اپنے داخلی معاملات میں خود مختار تھے۔ بیزنطینی سلطنت نے مصر اور اسکندریہ پر بھی تسلط جما لیا تھا اور حبش یعنی ابی سینیا تک اس کے زیر اثر آ چکا تھا۔ حبش نے آخر یمن پر قبضہ کر کے ایک اہم تجارتی شاہراہ پر قابو پا لیا تھا۔ مصر اور حبش سے عربوں کے تعلقات مستقل اور قدیم تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے پردادا قصی نے غالباً قیصر روم کی مدد سے شہر مکہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبد مناف بن قصی کے چار بیٹے مشہور تھے۔ عبد شمس، ہاشم، نوفل اور المطلب۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نجاشی حبش سے ملا۔ دوسرا قیصر روم اور شاہ غسان سے، تیسرا کسرائے ایران سے اور چوتھا حمیر یعنی یمن کے بادشاہ سے ملا تا ہوا (۲۴) اور اس بات کے پروانے حاصل کیے کہ وہ بے خرخشہ امن و حفاظت کے ساتھ ان ملکوں میں آیا جایا کریں گے۔

قبل از بعثت نبی اکرم ﷺ ایک دفعہ اپنے چچا کے ساتھ بصری تک گئے (۲۵) اور دو مرتبہ آپ کم از کم یمن (۲۶) اور ایک مرتبہ بحرین و عمان (۲۷) بھی تشریف لے گئے۔

ہجرت کے بعد کے سیاسی تعلقات میں اہم نکات یہ ہیں کہ دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر نے جو کہ قیصر روم کے زیر اثر تھا مدینے سے آنے والے کاروانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کیے تو ۵ھ میں نبی اکرم ﷺ نے بذات خود اس علاقے کا رخ کیا مگر آپ ﷺ کی آمد پر اکیدر بھاگ گیا۔ غزوہ احزاب کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ مہم ادھوری چھوڑ کر واپس آ گئے۔ ۹ھ میں اکیدر گرفتار ہوا اور دومۃ الجندل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

۶ھ کے اختتام پر جب مکے والوں سے صلح ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ نے متعدد ہمسایہ حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کیے۔ ان میں سے ایک ہرقل عظیم الروم کے نام تھا۔ جب قیصر سے کوئی آس نہ رہی تو آنحضرت ﷺ نے قیصر کے باجگذار عرب رئیسوں اور صوبہ داروں سے براہِ راست تخاطب فرمایا۔ ان میں سے ایک سفیر بصری کے حاکم کے پاس گیا مگر اس کو موتہ کے مقام پر قبیلہ غسان کے سردار شرجیل بن عمرو نے قتل کر دیا۔ بقول ڈاکٹر صاحب سفیر کا قتل بین الممالک رسم ورواج کی شرمناک خلاف ورزی تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ۸ھ میں ایک فوج روانہ کی اس لڑائی میں قیصر روم نے اپنے ماتحت قبیلہ غسان کی حفاظت کے لیے فوجیں بھیجیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورتحال بالکل نئی تھی۔ اس لیے فوج پسپا ہو کر واپس آ گئی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کو عرب کے شمال میں قبیلہ قضاعہ کو جس سے عمرو بن العاص کی رشتہ داری تھی بھیجا تاکہ بیزنطینیوں سے توڑ کر مسلمانوں کا حلیف بنالیں مگر بظاہر اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی لہذا دوسرے سال ۹ھ میں آنحضرت ﷺ تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور تبوک کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے قیصر کو نہائیہ بھیجا کہ:

''یا تو اسلام لائے یا جزیہ دے کر سیاسی ماتحتی قبول کرے ورنہ کم از کم اس میں آڑے نہ آئے کہ اس کی رعایا ایسے کرے۔ اگر کچھ بھی منظور نہ ہو تو جنگ ہوگی۔'' (۲۸)

اس کے بعد اسلامی فوجوں نے جرباء، اذرح، ایلہ، مقنا اور دومۃ الجندل کو مطیع کر لیا تو قیصر نے کوئی حرکت نہ کی۔ معاہدہ مقنا پر ڈاکٹر صاحب نے طویل بحث وتمحیص کے بعد اسے جعلی قرار دیا ہے۔

غرض متعدد اہم مقاموں کو مطیع بنانے کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ دو سال بعد آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں موتہ کا بدلہ لینے کے لیے فوج تیار کی مگر اسی اثناء میں آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ فوج روانہ کی۔

حبشہ سے سیاسی وسفارتی تعلقات

حبشہ کے ساتھ عربوں کے سیاسی تعلقات کے تاریخی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے میں نجران میں عیسائیت عام تھی۔ ذونواس سے نجرانیوں کو عیسائیت کے

ترک کرنے کا حکم دیا اور نجرانیوں کے انکار پر ان کا بے رحمی سے قتل عام کیا۔ نجرانیوں نے قیصر سے امداد طلب کی۔ قیصر نے بذات خود امداد کرنے کے علاوہ نجاشی کو بھی خط لکھا کر مدد کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ نجاشی نے سات سو کشتیاں اور کئی فوجی فراہم کیے۔ جنگ کے نتیجے میں ذونواس کو شکست ہوئی اور یمن پر حبشہ کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد ابرھہ یمن کا گورنر مقرر ہوا۔ ۵۷۰ء میں ابرہہ نے مکہ معظّمہ پر حملہ کیا۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو قرآن مجید کے مطابق پرندوں کے جھنڈ آئے اور فوج پر کنکریاں گرائیں جس سے فوج میں وباء پھیل گئی۔ بہت سے لوگ مر گئے اور کچھ واپس چلے گئے۔ اس ہاتھی کی واقعہ کے پچاس دن بعد نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

> ''حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں حبشی الفاظ کا پایا جانا اس سلسلے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (۲۹)
>
> مکی اور حجازی عرب تجارت کے سلسلے میں حبشہ آتے جاتے رہتے تھے۔ قیصر روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارتی خط دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بناء پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے۔ (۳۰)
>
> بعثت کے بعد جب قریش نے مسلمانوں پر ظلم وستم کرنا شروع کیا تو نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ ترک وطن کر کے حبشہ چلے جائیں وہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمران ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔'' (۳۱)

جب مسلمان وہاں پہنچے تو قریش نے بھی پیچھے فوراً ایک وفد بھیجا جو نجاشی سے ان مسلمانوں کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے تقریر کی اور سورۃ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ نجاشی متاثر ہوا اور اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر قریشی وفد مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

واقعہ غرانیق پر بہت سے مہاجر حبشہ سے واپس تشریف لائے مگر جب حالات کی توضیح ہو گئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوہ بدر ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ تاریخی

روایات کے مطابق فتح بدر پر نجاشی نے مسرت کا اظہار کیا۔ (۳۲)

٦ ھ میں نبی اکرم ﷺ نے ایک وفد حبشہ بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو مدینہ لائے۔ آنحضرت ﷺ کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آنحضرت ﷺ سے غائبانہ عقد بھی کروایا تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انہیں تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے تعلقات حبشہ کے ساتھ بے حد دوستانہ رہے اور ایسی متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے حبشیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ابتدائی دور اسلام میں بعض فرزندان حبش نے رسول کریم ﷺ کا جس جوش وصداقت کے ساتھ، ساتھ دیا اسے مسلمان اب بھی ادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور پہلے مؤذن حضرت بلال حبشیؓ کے نام میں وہ کشش ہے کہ جاوی زبان میں بلالؓ کے معنی خود مؤذن کے ہیں۔'' (۳۳)

❷ عہدِ نبوی میں نظام مالیہ

عہدِ نبوی ﷺ کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں سے نہایت اہم شعبہ مالیات کا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں مالیات کا پورا ایک نظام قائم تھا۔ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ اس میں ارتقاء کس طرح ہوا؟ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی کوششوں اور پالیسیوں کا ذکر کیا ہے۔ گو اسلامی مالیات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''میں ان ساری کتابوں کے مؤلفوں کا پورا ادب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے عرض کروں گا کہ ان میں کوتاہی نظر آتی ہے وہ یہ کہ انہوں نے تاریخی نقطۂ نظر کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا۔ یعنی یہ کبھی نہیں بتایا کہ عہدِ نبوی ﷺ میں مالیات کے متعلق ابتدائی صورت کیا تھی۔ ہجرت سے قبل اور ہجرت مدینہ کے بعد ابتداً کیا تھی، رفتہ رفتہ کیا تبدیلی ہوئی اور بالآخر اس نے کیا صورت اختیار کی ان باتوں کا وہ کہیں ذکر نہیں کرتے۔'' (۳۴)

ڈاکٹر صاحب نے عہدِ نبوی کے نظام مالیہ پر جو تحقیقات پیش کی ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① مکہ میں نظام مالیہ

② مدینہ میں نظام مالیہ

① مکہ میں نظام مالیہ

ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی ہے کہ مکی دور میں مالیہ کا کوئی باقاعدہ نظام قائم نہ تھا بلکہ صحابہ کرامؓ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ جیسا کہ مکی سورتوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اہم نکتہ کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے اور وہ یہ کہ زکوٰۃ ۹ ہجری میں فرض ہوئی تھی مگر مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ اس مسئلے کا حل ڈاکٹر صاحب نے نہایت عمدہ طریقے سے کیا ہے۔ مکی سورۃ کی آیت مثلاً:

﴿ وَآتُوا حَقَّهٗ يَومَ حَصَادِهٖ ﴾ (۳۵)

اور مدنی سورۃ کی آیت:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالمَسَاكِين .... الآية ﴾ (۳۶)

کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد خیرات نہیں بلکہ زکوٰۃ ہے۔ ان آیات سے استنباط کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے پیش کی ہے کہ:

> ''دوسری چیز جو اتنی ہی اہم ہے وہ یہ ہے کہ اگر مکہ ہی میں زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی جس معنی میں ہم فرض سمجھتے ہیں تو اس کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا یعنی رسول اکرم ﷺ کی طرف سے اس کی وصولی اور خرچ کا انتظام کیا گیا ہو یا اس کی مقدار معین ہو۔ اس کی میعاد مقرر ہو۔ اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ان حالات میں مجبوراً اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے۔ (اور یہ میری ذاتی رائے ہوگی کہ آپ پابند نہیں کہ اس کو قبول بھی کریں) زکوٰۃ کی ابتداء اور اس کا آغاز اخلاقی اور رضا کارانہ اساس پر ہوا۔'' (۳۷)

② مدینہ میں نظام مالیہ

''جب رسول کریم ﷺ مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہیں تو حالات بدلتے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہاں ایک تو مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی ضروریات بڑھتی ہیں، تیسرے مسلمانوں کے دفاع وغیرہ کے لیے مال کی طلب پیدا ہوتی ہے چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے مالی وسائل بھی بڑھ جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بھی بہت سے مالدار مسلمان تھے جو زراعت پیشہ تھے۔ باغات اور زراعت سے انہیں کافی آمدنی ہوتی تھی اور وہ معین طور پر اس کا کچھ حصہ دے سکتے تھے۔ پانچویں یہ کہ وہاں مسلمانوں کی ایک حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے لیکن مدینہ منورہ میں بھی ابتداءً زکوٰۃ گویا ایک خیرات ایک رضا کارانہ چیز اور ایک غیر معین فریضہ تھا۔'' (۳۸)

مہاجرین کی بے روزگاری کا حل

جب مسلمان مکے سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو عام مہاجرین کی بے روزگاری اور ان کی مصیبت زدگی کا ازالہ کیا گیا اور مواخات کے ذریعے سے مدنی مسلمانوں کے خاندانوں میں ان مکی مہاجرین کے خاندانوں کو ضم کر کے ان دو خاندانوں کو ایک خاندان بنایا گیا۔ یہ خاندان مشترکہ طور پر کمائی کرتے تھے اور رہتے تھے۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے نبی اکرم ﷺ کے وسائل آمدنی سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔

حکومت کے ذرائع آمدن

حکومت کے ذرائع آمدن میں سے ڈاکٹر صاحب نے مال غنیمت، مال فئے، زکوٰۃ اور جزیہ کا ذکر کیا ہے۔

مال غنیمت اور مال فئے

''مال غنیمت کا ۱/۵ حصہ اور مال فئے پورے کا پورا حکومت کے تصرف میں آ جاتا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر دشمن سے لڑائی ہو اور جیسا کہ قرآن کے الفاظ میں کہ گھوڑوں

کے دوڑانے کے ذریعے دشمن کے علاقے پر دشمن کے مال پر قبضہ کیا گیا ہوتو اسے مال غنیمت قرار دیا جاتا۔ اگر جنگ کے بغیر دشمن قبول کرتا کہ ہم آزاد تو رہیں گے لیکن تمہیں اس قدر سالانہ خراج دیا کریں گے وغیرہ۔ یہ ساری آمدنیاں ''فیئ'' کہلاتی تھیں ان کو تقسیم کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا وہ سارے کا سارا سرکاری خزانے میں آجاتا۔'' (۳۹)

زکوٰۃ

ان دوآمدنیوں کے علاوہ تیسرا ذریعہ آمدن زکوٰۃ تھا جو کہ مختلف چیزوں مثلاً زراعت، سونا، چاندی اور نقدی پر مختلف شرح سے لی جاتی۔ نظام زکوٰۃ کے ضمن میں ڈاکٹر نے اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اسلام سے پہلے کے مذہبوں میں سرکاری آمدنی کے ذرائع یعنی کن کن چیزوں پر ٹیکس لیا جائے اس کی تفصیل تو ہمیں ملتی ہے۔ مثلاً توریت وغیرہ میں لیکن کن مدات میں انہیں خرچ کیا جائے، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ وہ بالکل حکمران کی صوابدید پر ہوتا ہے کہ اس ٹیکس کو وہ جیسا چاہے خرچ کرے اور عام طور پر حکمران اپنی ذات پر اور اپنی فضول خرچی وعیاشی پر خرچ کیا کرتے تھے۔ میرے علم میں قرآن کریم وہ پہلی دینی کتاب ہے جس میں آمدنی کے وسائل کے متعلق بہت کم تفصیلیں ملتی ہیں لیکن خرچ کے متعلق تفصیل سے بتایا جاتا ہے کہ کس کو کتنی رقم دی جائے۔'' (۴۰)

① عہدِ نبوی ﷺ میں زکوٰۃ کے مصارف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (۴۱)

ڈاکٹر صاحب نے ان تمام مصارف کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے ان کے بڑے وسیع معنی لیے ہیں۔

② للفقراء والمساکین

بظاہر دونوں مترادف ہیں۔لیکن امام طبری کے مطابق:

''فقراء سے مراد مسلمانوں کے فقیر اور مساکین سے مراد غیر مسلم رعیت کے فقیر مراد ہیں'' (۴۲)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے مطابق زکوٰۃ کی اس مد سے غیر مسلموں کو بھی امداد دی جاسکتی ہے۔اس کی دلیل کے لیے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج (۴۳) سے بھی حوالہ پیش کیا ہے کہ ایک یہودی بوڑھے شخص کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:'' هذا مساكين اهل الكتاب ''یہ مساکین کی مد میں آتا ہے اس لیے زکوٰۃ سے اس کو رقم دے دی جائے۔

③ والعاملین علیھا

ڈاکٹر صاحب کے مطابق اس سے مراد پوری سول ایڈمنسٹریشن ہے۔کیونکہ زکوٰۃ جمع کرنے والے، زکوٰۃ کا حساب رکھنے والے، زکوٰۃ کے حساب کی جانچ پڑتال کرنے والے یا آڈٹنگ کرنے والے، زکوٰۃ تقسیم کرنے والے، تقسیم کی نگرانی کرنے والے یہ سب لوگ عاملین میں آجاتے ہیں۔(۴۴)

④ والمؤلفۃ قلوبھم

اس مد کے سلسلے میں ابویعلی الفراء کی الاحکام السلطانیہ (۴۵) کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''مولفۃ قلوبھم'' کی چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم : ان لوگوں کی ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔

دوسری قسم : ان لوگوں کی ہے جن کو رقم اس لیے دی جائے کہ وہ مسلمانوں کو مضرت پہنچانے سے باز رہیں۔

تیسری قسم : ان لوگوں کی ہے جن کو رقم اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔

چوتھی قسم: ان لوگوں کی ہے جن کو رقم اس لیے دی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے قریبی رشتہ دار، ان کے قبیلے کے لوگ، ان کے خاندان کے لوگ اسلام قبول کر لیں نیز یہ کہ یہ رقم مسلمان اور غیر مسلم دونوں کی دی جا سکتی ہے۔

⑤ وفی الرقاب

یعنی ملک کے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے بھی حکومت امداد کرے اور ملک کی رعایا کو دشمن کی قید سے چھڑانے کے لیے بھی حکومت زکوٰۃ صرف کرے۔ اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز نہیں۔

⑥ الغارمین

کسی شخص پر رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں غیر معمولی بوجھ پڑ جائے اور وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ مثلاً اس کا مال راستے میں چوری ہو گیا یا اس کا مال کسی طغیانی میں، کسی زلزلے میں یکا یک ضائع ہو گیا وغیرہ، ایسی حالتوں میں اس بظاہر مالدار شخص کی بھی ہم مدد کر سکتے ہیں کیونکہ وہ عارضی طور پر محتاج ہو گیا ہے۔

⑦ فی سبیل اللہ

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

> ''فی سبیل اللہ'' کے تحت پوری ملٹری ایڈمنسٹریشن آ جاتی ہے۔ سپاہیوں کی تنخواہ کی ادائیگی، اسلحہ کی فراہمی اور دیگر فوجی ضروریات سب اسی مد کے تحت آ جاتی ہیں۔ نیز اور چیزیں بھی مثلاً مسجدوں کا بنانا، کارواں سرائے کی تعمیر، مدرسوں کی تعمیر وغیرہ۔''

⑧ ابن السبیل

اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کوئی تفریق نہیں۔ ابن السبیل کے معنی پورے Tourist Traffic کا انتظام ہے۔ اس میں سڑکوں کا بنانا، پلوں کی تعمیر، اس میں پولیس کا انتظام کرنا کہ گزرنے والوں کی جان و مال محفوظ رہے۔

اسی طرح بازاروں کی نگرانی کہ وہاں پر دغا اور فریب نہ ہو، غذا صحت کے لیے مضر نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ابن السبیل کے لفظ کے تحت آ جائیں گے۔(۴۶)ان آٹھ مصارف زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں زکوٰۃ حکومت وصول کرتی تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے دور میں جب اسلامی سلطنت وسیع ہوگئی تو ہر فرد کی ذمہ داری قرار دیا گیا کہ وہ خود زکوٰۃ ادا کریں۔(۴۷)

مال غنیمت، مال فئے اور زکوٰہ کے علاوہ عہدِ نبوی ﷺ کے ذرائع آمدن میں سے خراج اور جزیہ بھی ہیں جو کہ غیر مسلموں سے وصول کیے جاتے ہیں۔خراج زراعتی اغراض کے لیے ہوتا تھا اور جزیہ ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں لیا جاتا تھا۔

ذرائع آمدن کی وصولی کا انتظام

عہدِ نبوی ﷺ ان تمام ذرائع آمدن کی وصولی کا خاص طور پر انتظام کیا گیا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ مختلف علاقوں میں اپنے نمائندے بھیجتے جو وہاں سے زکوٰۃ یا خراج یا دیگر ذرائع آمدن اکٹھا کرتے اور مدینہ پہنچاتے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں دو مثالیں دی ہیں:

> ''فتح خیبر کے موقع پر خیبر کے یہودیوں نے صلح کی پیشکش کی اور کہا کہ وہ اپنی آمدنی کا پچاس فیصد حکومت مدینہ کو ادا کریں گے چنانچہ اس کی وصولی کے لیے ہر سال مدینہ سے ایک نمائندہ بھیجا جاتا پہلے سال نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو تقسیم کے لیے بھیجا(۴۸)اسی علاقے میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ابن اللتیبہ الاسدی کو ٹیکس جمع کرنے کے لیے بھیجا۔(۴۹)

الغرض ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے عہدِ نبوی ﷺ کے نظام مالیات کو نہایت مربوط انداز میں اور ٹھوس دلائل کے ذریعے پیش کیا ہے۔ نیز اپنی تحقیقات کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ نظام مالیہ کا آغاز ایک حد تک مکہ سے ہی ہو چکا تھا۔ مدینہ میں اس نظام نے نہایت تیزی سے ترقی کی۔ چنانچہ ۱۰ھ میں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو زکوٰۃ اور دیگر ٹیکسوں کا باقاعدہ ایک نظام قائم ہو چکا تھا۔

③ عہدِ نبوی میں نظام تشریع وعدلیہ

کسی بھی ملک کے نظم ونسق میں قانون سازی اور عدلیہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے عہدِ نبوی ﷺ کے اس اہم موضوع پر محققانہ تبصرہ کیا ہے۔ بعد ازاں اسی موضوع پر محققین نے جامع تحقیقات پیش کیں اور مستقل کتب تصانیف کیں مگر ابتدائی کام ڈاکٹر صاحب کا ہی ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں نظام تشریع یا قانون سازی

عہدِ نبوی ﷺ کے ماخذ ہائے قانون بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی ہے کہ:

''قانون اصل میں دو طرح کے ہیں: ایک خالص انسانی قانون اور دوسرا خدائی قانون۔ نیز یہ کہ اس کو ایک مماثل درجے کا اقتدار رکھنے والی مماثل درجے کی شخصیت ہی بدل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قانون اللہ کی طرف سے نازل ہوا تو اس کو بدلنے والا اللہ ہی ہو سکتا ہے۔ خدا سے کم تر رتبے کا کوئی فرد اس کو بدلنے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر بدلے تو وہ ملحد ہوگا۔ اللہ کو نہ ماننا ہوگا۔'' (۵۰)

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے عہدِ نبوی ﷺ کے مآخذ ہائے قانون بیان کیے ہیں۔

① پہلا قانون ڈاکٹر صاحب کے مطابق مکہ کے رسم ورواج تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''قرآنی اشارات کی بناء پر تاریخ عہدِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم پورے ادب کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ شہر مکہ کے جو بھی رسم ورواج تھے، وحی کی غیر موجودگی میں وہی مسلمانوں کا قانون تھا اور وہ اس پر عمل کرتے رہے۔''(۵۱)

اسی ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے شرائع من قبلنا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ توریت وانجیل کے احکام کو اگر قرآن نے تبدیل نہ کیا ہو تو وہ بھی مسلمانوں کے لیے واجب التعمیل ہیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی رجم کے حکم کو رسول اکرم ﷺ اور بعد کے سارے خلفاء وفقہاء نے برقرار رکھا ہے۔ غرض ''شرائع من قبلنا''

بھی اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہے بشرطیکہ ان کی صحت کا ثبوت ملے اور قرآن وحدیث نے ان کو بدلنے کا حکم نہ دیا ہو۔(۵۲)

② اسلامی قانون کا دوسرا مآخذ قرآن وسنت ہیں اور وہ قیامت تک برقرار رہتے ہیں لیکن ان کا بننا اور بدل سکنا ایک محدود زمانے یعنی رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں وقوع میں آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے بننے اور بدلنے کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے۔قرآن وحدیث کے مآخذ قانون ہونے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کے نکات مختصراً حسب ذیل ہیں:

(i) قرآن مجید کے احکام میں تبدیلی خود پیغمبر بھی اپنی ذاتی رائے سے نہیں کرسکتا۔

(ii) احکام سنت کی دو اقسام ہیں:

ا) ایک قسم یہ ہے کہ وحی والہام کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچے ہیں اور اس شرط یا اس صراحت کے ساتھ کہ انہیں قرآن میں داخل نہ کیا جائے۔جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ذکر ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ﴾ (۵۳)

ب) دوسری قسم یہ ہے کہ پیغمبر خود اجتہاد واستنباط کر کے اپنی صوابدید سے کسی ایسے معاملے کے بارے میں حکم دیں جو کہ قرآن میں موجود نہ ہو۔ایسے حکم کی دو صورتیں ہوں گی یا تو خدا اس کی توثیق کردے گا یا خدا اس کو نامناسب سمجھے تو تبدیلی کا حکم دے گا۔ (۵۴)

③ عہدِ نبوی ﷺ میں بعض اور مآخذ ہائے قوانین بھی ہمیں ملتے ہیں جو وقتی ہیں یا عارضی ہیں ان میں سے ایک چیز وہ ہے جس کو ہم ''معاہدہ'' کا نام دیتے ہیں اور مسلمان اگر کسی معاہدے میں کچھ شرائط قبول کرتے ہیں تو وہ شرطیں مسلمانوں کے لیے واجب التعمیل ہوں گی۔لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ معاہدہ برقرار رہے جیسے ہی وہ معاہدہ ختم ہو جائے یا منسوخ کر دیا جائے تو وہ شرائط بھی جو ہمارے قانون کا جزو بن چکی تھیں منسوخ ہو جاتی ہیں۔اسی طرح معاہدے کے ذریعے قبول کی ہوئی شرطوں کو اسلامی قانون کا عارضی اور موقتی جزو سمجھا جائے گا۔ (۵۵)

عہدِ نبویؐ میں نظام عدل

عہدِ نبویؐ کے نظام عدل کے خدوخال بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے زمانہ جاہلیت میں عدل گستری کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد عدالتی نظام کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی اختیار کردہ پالیسیوں کا ذکر کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں انصاف رسانی کے طریقے

عہدِ جاہلیت میں انصاف رسانی کے مختلف طریقوں میں سے اولاً حلف الفضول (۵۶) کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''اسلام سے پہلے عرب میں نفاذ عدل کا جو نظام تھا اس کے سلسلے میں سب سے پہلے اس ادارے کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو خاص شہر مکہ میں قائم کیا گیا تھا۔ جرہمی دور میں اس کا آغاز ہوا حرب فجار کے بعد اس ادارے کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔'' (۵۷)

حلف الفضول کو ڈاکٹر صاحب نے غیر معمولی ادارہ قرار دیا ہے۔ انصاف رسانی کے سلسلے میں اور تین اداروں کا ذکر کیا ہے۔

① قبیلہ واری پنچ

جب باہمی گفت وشنید سے معاملہ طے نہ ہوتا تو مستغیث اور ملزم ان قبیلہ داری پنچوں کے سامنے حاضر ہوتے جن کا فیصلہ قطعی ہوتا اور بہت سی صورتوں میں جرم کو اصطلاحی الفاظ میں دفن کر دیا جاتا اور پھر اسی بنیاد پر انتقام طلبی جائز نہ ہوتی۔ (۵۸)

② کاہن

اگر اندورنی طور سے فیصلہ نہ ہوسکتا اور خاص کر اگر کسی قبیلے کی الگ الگ شاخوں سے تعلق رکھنے والے افراد

میں جھگڑا ہوتا تو ان کاہنوں سے رجوع کیا جاتا۔ مشکل مقدموں میں ان سے رجوع کیا جاتا اور پرانے قصوں کے مطابق بعض وقت وہ فریقین سے ایک لفظ بھی سنے بغیر صحیح صحیح گنگنانا شروع کر دیتے۔ ان فیصلوں کی عدم تعمیل پر کسی قوت تنفیذ یہ کے تدارک کی عدم موجودگی لوگوں کے توہمات ہی تہدید کا کام دیتے۔(۵۹)

③ تحکیم

سب سے اہم ادارہ تحکیم کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں عامر بن انظرب العدوانی، غیلان بن سلمہ ثقفی ذوالاصبع اور ابواز یہر الدوسی وغیرہ(۶۰) کا ذکر کیا ہے قبیلہ تمیم کے سردار موروثی طور پر حکم تھے۔ قرض کے مسائل، منافرت، مفاخرت، میراث، چشموں کی ملکیت، خونی مقدمات (۶۱) غرض ہر قسم کے مسائل کے حل میں ان حکموں سے رجوع کیا جاتا تھا۔

عہدِ نبوی کا عدالتی نظام

عہدِ نبوی ﷺ کو عموماً دو ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

① قبل از ہجرت کا مکی دور

② بعد از ہجرت مدنی دور

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

"نبی اکرم ﷺ کی ذات ہجرت سے قبل اور بعد میں بھی مسلمانوں کے لیے اعلیٰ ترین عدالت کا کام دیتی رہی۔" (۶۲)

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب ایک شہری مملکت وجود میں آئی تو آنحضرت ﷺ نے فوراً اپنے عدالتی حقوق و فرائض کا تعین فرما دیا تھا۔ نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ یہودیوں نے بھی نبی اکرم ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ جیسا کہ دستور مدینہ سے وضاحت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس دستاویز کے ان فقرات کو نقل کیا ہے جو عدالتی سرگرمیوں سے متعلق ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہر قسم کے جھگڑے کے لیے آنحضرت ﷺ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''انفرادی انتقام جوئی کی جگہ مرکزی عدل گستری کا ادارہ وجود میں آ گیا اور یہ اختیار افراد ہی نہیں قبائل سے بھی چھین کر حکمران وقت کے سپرد کیا گیا جو تفتیش اور غیر جانبداری کا پابند تھا۔'' (۶۳)

مدینہ میں قضاۃ کا تقرر

مدینے کی حد تک آنحضرت ﷺ پورا عدالتی کام خود انجام دیتے تھے لیکن جب اسلامی عمل داری میں وسعت ہو کر انتظامی کام بڑھ گیا تو مدینے میں آنحضرت ﷺ نے چند مفتی (یعنی قاضی) مقرر فرما دیتے تھے (۶۴) جن کے فیصلوں کے خلاف آنحضرت ﷺ کے پاس مرافعہ بھی ہوتا تھا۔ مدینے میں مستقل قاضیوں کے علاوہ کسی خاص مقدمے کی سماعت کے لیے موقتی قاضی بنایا جایا کرنے کی بھی عہدِ نبوی ﷺ میں متعدد نظیریں ملتی ہیں۔ نیز ان کے آنحضرت ﷺ کے پاس مرافعوں کی بھی۔

صوبوں اور ضلعوں میں عدالتی افسروں کا تقرر

دارالحکومت کے باہر صوبوں اور ضلعوں (۶۵) میں بھی علیحدہ عدالتی افسروں کی ضرورت تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ دار عامل (گورنر) بھی بیک وقت سپہ سالار اور افسر مال (تحصیلدار) اور قاضی و محتسب (نگران اخلاق و مال تجارت) ہوتے تھے۔ ان کی کارروائیوں اور فیصلوں کے خلاف بھی آنحضرت ﷺ کے پاس مرافعے آیا کرتے تھے۔

قاضیوں کے فرائض

قاضیوں کو روانہ کرتے وقت نبی اکرم ﷺ ہدایات بھی دیتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو ہدایت دیں ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

''معاذ بن جبلؓ کو آنحضرت ﷺ نے قاضی بنا کر جند (جو یمن میں ہے) بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن اور احکام اسلام کو سکھلائیں اور ان کے مقدموں کا فیصلہ کریں اور یمن کے تحصیلداروں سے جمع شدہ محاصل سرکاری اپنی تحویل میں لیں۔'' (۶۶)

یمن روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی حضرت معاذ بن جبلؓ سے گفتگو، عدل گستری اور قانونیت کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے معاذؓ کو یمن بھیجا تو پوچھا کہ کس طرح فیصلے کرو گے؟

کہا اسی کے مطابق جو اللہ کی کتاب میں ہو فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں نہ ملے؟ کہا تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادے کو ایسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔ (۶۷) اسی طرح عمرو بن حزمؓ کو جو تحریری ہدایت نامہ دیا گیا اس میں بھی انہیں انصاف اور بے لاگ عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ (۶۸)

عہدِ نبوی کی عدالتی خصوصیات

عہدِ نبوی ﷺ کے عدالتی نظام کی کچھ خصوصیات تھیں ان کا تعارف ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں حسب ذیل ہے۔

① نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں عمد، مشابہ عمد اور خطا میں فرق کیا جانے لگا۔ (۶۹)

② نیت سب سے پہلے دیکھی جانے لگی۔ (۷۰)

③ بہت سی صورتوں میں ضمان یعنی ٹارٹ مقرر کر دیا گیا اور ہرجے کا معاوضہ بجائے مساوی انتقام کے رقمی یا مادی صورت میں دلایا جانے لگا۔ (۷۱)

④ سخت قانونی انصاف کی جگہ استحسان یا نصفت کو عدالتیں روا رکھنے لگیں۔

⑤ ذمہ داری کو شخصی قرار دیا گیا یعنی نہیں کہ ایک کا بار دوسرے پر لاد دیا جائے۔ (۷۲)

⑥ اسی طرح شبہے کا فائدہ ملزم کو دینا اور غلطی سے سزا دینے کی جگہ غلطی سے رہا کرنا اصولاً بہتر قرار دیا گیا۔ (۷۳)

⑦ انسانوں کے سوا باقی سب مخلوقات کو ذمہ داری سے بری کر دیا گیا۔

⑧ انصاف رسانی کے لیے قاضی کو چاہیے کہ صرف روداد پر فیصلہ کرے اور اپنے خانگی معاملات کو دخل نہ دے۔(۷۴)

⑨ بار ثبوت مدعی پر ہے اور اگر مدعی ثبوت پیش نہ کر سکے تو دعویٰ کے منکر یعنی مدعا علیہ کو قسم دی جائے۔(۷۵)

مرافعہ اور استصواب کا نظام

> ''مرکز حکومت مدینہ میں عدالت ابتدائی ہر قبیلے کے عریف اور نقیب ہوتے یا مفتی اور قاضی۔عدالت مرافعہ اور عدالت انتہائی خود جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات تھی 'مرافعہ' اور 'استصواب' آنحضرت ﷺ کے پاس وقت اضلاع اور صوبہ جات سے بھی ہوتا۔''

تصحیح کی بھی متعدد نظیریں تاریخ نے محفوظ کی ہیں اور جب کبھی آنحضرت ﷺ کو کسی افسر کے غلط فیصلے یا طرز عمل کا پتہ چلتا تو آپ دخل دہی فرما کر تلافی اور تدارک فرما دیتے۔حضرت خالد بن ولید اور واقعہ بنی جذیمہ(۷۶) اس کی ایک انتہائی مثال ہے۔

قاضیوں کی تنخواہ

قاضیوں کو عہدِ نبوی ﷺ میں تنخواہیں بھی دی جاتی تھیں تاکہ انہیں رشوت کے لالچ سے بچایا جائے۔

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

> ''تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ فوجداری مقدموں میں ملزم کو تحقیقات تک اور مدیوں کو قرض کی ادائیگی کے لیے حوالات میں رکھتے تھے۔''(۷۷)

عہدِ نبوی ﷺ کے عدالتی نظام کے ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیقات سے اہل نظام عدل کی ایک مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔اس عدالتی نظام کے ہر پہلو کی وضاحت ڈاکٹر صاحب نے قدیم مصادر کی روشنی میں کی ہے۔

مصادر میں بکھرے ہوئے عدالتی احکامات وواقعات کوڈاکٹر صاحب نے یکجا کر کے ایک مضمون کی شکل میں پیش کیا ہے۔اسی لیے عہد نبوی ﷺ کے عدالتی نظام کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون جداگانہ اور منفرد نوعیت کا ہے۔

4 عہدِ نبوی ﷺ کا نظام تعلیم

عہدِ نبوی ﷺ کے نظام تعلیم کو بھی ڈاکٹر صاحب نے تین ادوار میں تقسیم کر دیا ہے۔

① عرب میں زمانہ جاہلیت میں تعلیم۔

② قبل از ہجرت مکہ میں تعلیمی نظام۔

③ بعد از ہجرت مدینہ میں تعلیمی نظام۔

ا) عرب میں زمانہ جاہلیت میں تعلیم

عہدِ نبوی ﷺ کے نظام تعلیم کے خدوخال بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب نے عرب کے تعلیمی پس منظر کو بیان کیا ہے۔عرب میں زمانہ جاہلیت میں لکھنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔عرب لوگ ان پڑھ ہونے پر اتراتے تھے۔ عربوں کی زبان عربی نہایت متمدن اور ترقی یافتہ زبان تھی۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

> ''اگر اس معیار پر اسلام سے پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی نزاکت،لغات کی کثرت،قواعد صرف ونحو کے استحکام اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حدیث زمانہ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ میں آتے جاتے تھے جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو۔اسی زمانے میں عربی زبان،لغات والفاظ کی حد تک اتنی وسیع اور متمول ہوگئی تھی کہ اس کا مقابلہ زمانہ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے۔''(۷۸)

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تعلیمی حالت کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

① زمانہ جاہلیت میں عرب میں مدرسے اور تعلیم گاہیں بھی موجود تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں ابن قتیبہ کی عیون الاخبار (۷۹) سے دلیل دی ہے کہ قبیلہ ھذیل کی ایک عورت بچپن میں مدرسہ جاتی تھی۔

② بازار عکاظ میں ہونے والے ادبی میلے کو ''بین العرب ادبیاتی کانگریس'' کا نام دیا ہے۔

③ غیلان بن سلمہ ثقفی ہفتے میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا جس میں نظمیں پڑھی جاتی تھیں اور ان پر تنقید ہوتی تھی۔(۸۰)

④ کعبہ میں سبعہ معلقات کی موجودگی سے بھی عربوں کی تعلیمی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔

⑤ ورقہ بن نوفل نے زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔

⑥ عربی ذوق جاہلیت عربوں کے علاوہ دوسری قوموں مثلاً یہودیوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدارس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا۔

⑦ زمانہ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لیے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہیں۔ مثلاً قلم، نون، مرقوم، مسطور اور مکتوب وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''غرض ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادوں پر علوم وفنون کی وہ بلند عمارتیں بعد میں زمانہ اسلام کے عربوں نے کھڑی کیں جن پر پورے کرہ ارض کی علمی دنیا فخر کر سکتی ہے۔(۸۱)

ب) قبل از ہجرت مکہ میں تعلیمی نظام

مکہ کے تعلیمی نظام کو ڈاکٹر صاحب نے چند نکات کے تحت بیان کیا ہے۔

① اسلام میں تعلیم وتعلم کا آغاز پہلی وحی سے ہوا اس میں آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے متبعین کو حکم تھا کہ ''اقراء'' یعنی پڑھ۔ اور قلم کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے۔

② قبل از ہجرت کے تعلیمی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے وہ تمام آیات نقل کی ہیں جن کا تعلق علم کی اہمیت سے ہے۔

③ بیعت عقبہ ثانیہ میں جب مدینے کے بارہ لوگوں نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مکے سے ایک تربیت یافتہ معلم کو روانہ کر دیا تھا جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔(۸۲)

④ زمانہ قبل ہجرت اسلام کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جاسکتی ہے یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے اس کو لکھ لیں۔

ج) بعد از ہجرت مدینہ میں تعلیم نظام

ہجرت کے بعد مدینہ میں تعلیمی نظام کو ڈاکٹر صاحب نے سنہ وار کی بجائے فن وار مرتب کیا ہے مثلاً مدرسوں کا انتظام، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم اور عورتوں کی تعلیم کے علاوہ دیگر کئی موضوعات پر بحث کریں۔ مدینہ کے تعلیمی نظام کے خدوخال ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیقات کی روشنی میں حسب ذیل ہیں:

① ابتدائی تعلیم

مدینہ میں نبی اکرم ﷺ نے ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے سعید بن العاص کا تقرر کیا تا کہ وہ لوگوں کو لکھنا، پڑھنا سکھائیں۔(۸۳)

رسول کریم ﷺ کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکے والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ میں لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کی جو مالدار نہ تھے رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں (۸۴) آپ ﷺ نے عبادہ بن الصامت کو صفہ میں تعلیم و تعلم کی غرض سے مامور فرمایا تھا۔(۸۵)

② اقامتی مدرسہ

صفہ کو ڈاکٹر صاحب نے ایک اقامتی یونیورسٹی قرار دیا ہے۔اس کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں ۔فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا تھا۔جس کی نگرانی خود رسول کریمؐ شخصی طور پر فرمایا کرتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کرتے تھے۔ یہ طلبہ اپنی فرصت کے گھنٹوں میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔'' (۸۶)

اس درسگاہ میں مقیم طلبہ کے علاوہ عارضی طور پر بھی لوگ شریک ہوتے تھے۔مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کر کے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے ۔(۸۷)

③ دیگر قبائل اور صوبوں میں معلمین کا تقرر

مدنی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی یہ مستقل سیاست تھی کہ قبائل میں تعلیم وتربیت کے لیے معلم روانہ کیے جائیں بئر معونہ کے واقعے میں ستر قاریان بھیجے گئے تھے (۸۸) رسول اللہ ﷺ نے یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع وتعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔(۸۹)

④ مدینہ میں دیگر مدارس

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہدِ نبوی ﷺ میں تھیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لیے درسگاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ (۹۰)

⑤ اعلیٰ تعلیم

ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کے مطابق مدینہ میں ابتدائی تعلیم کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کا بھی خصوصی بندوبست تھا۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''رسول کریم ﷺ خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ ان درسوں میں شریک رہا کرتے تھے جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجدِ نبوی ﷺ کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرمادیا کرتے۔''(۹۱)

⑥ خواندگی میں اضافہ کے لیے تعلیمی پالیسی

یہ رسول کریم ﷺ کی ایک طے شدہ سیاست تھی کہ صرف وہی لوگ قوم کی سیادت، سرداری اور رہنمائی کریں اور نتیجۂ مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں۔ ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر اوطاس وغیرہ میں خفیہ نامہ نگار جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت ﷺ کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے۔ نیز مردم شماری اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں مدد ومعاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔(۹۲)

⑦ املاء وخط

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے آنحضرت ﷺ کی چند احادیث کا ذکر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو خط کی صفائی کا خاصا لحاظ رہتا تھا۔

(i) کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریت ڈال کر خشک کرلو۔ (۹۳)

(ii) حرف س کے تینوں سوشے برابر کردیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو۔(۹۴)

(iii) لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہیے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے۔ (۹۵)

⑧ معلمین کو معاوضہ لینے کی ممانعت

عہدِ نبوی ﷺ میں معلمین بغیر معاوضہ کے تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

''عبادہ بن الصامت کی روایت ہے کہ وہ درسگاہ صفہ میں قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انہیں ایک کمان نذر کی مگر رسول کریم ﷺ نے انہیں اس کے قبول کرنے سے روک دیا۔'' (۹۶)

⑨ اجنبی زبانوں کی تعلیم

حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے۔ سریانی زبان جانتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار رسالت کے میر منشی کہے جا سکتے ہیں، فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی زبان جانتے تھے۔'' (۹۷)

⑩ نصابِ تعلیم

قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی (۹۸)، تیراکی (۹۹) تقسیم ترکہ کی ریاضی (۱۰۰)، مبادی طب (۱۰۱) علم ہیئت (۱۰۲) علم تجوید قرآن (۱۰۳) کی تعلیم دی جایا کرے۔

⑪ عورتوں کی تعلیم

آنحضرت ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر لیا تھا جب آپ ﷺ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے، ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کے جواب دیتے۔ (۱۰۴) آنحضرت ﷺ کی اجازت سے شفاء بنت عبداللہ العدویہ نے آپ ﷺ کی بیوی حضرت حفصہؓ کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی تھی (۱۰۵) حضرت عائشہؓ کو فقہ، دیگر اسلامی علوم، ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے تعلیم کی نظری حیثیت سے متعلق چند احادیث نقل کی ہیں:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت منتظم مملکت دیگر اقدامات کے علاوہ تعلیمی نظم ونسق کے سلسلے میں بڑے وسیع اقدامات کیے۔ یہی وجہ تھی کہ چند ہی سالوں میں ناخواندگی دور ہوگئی اور ہر شخص نے پڑھنے لکھنے میں مہارت حاصل کر لی۔

5 عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ دفاع

عہدِ نبوی ﷺ کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں دفاع کا شعبہ نہایت اہم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پہلو پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اس ضمن میں آپ کی کتاب ''عہدِ نبوی ﷺ کے میدان جنگ'' اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے۔ جس میں نبی اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی پر بالخصوص روشنی ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس لحاظ سے اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے پہلی مرتبہ غزوات کا حربی تکنیک سے جائزہ لیا ہے۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے ان کی اس تکنیک کی تقلید کی اور غزواتِ نبوی ﷺ پر حربی نقطۂ نظر سے کتب تالیف کیں۔

نظام دفاع کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''کسی ملک کے دفاع کے لیے نہ صرف فوجی تیاریاں درکار ہوتی ہیں بلکہ غیر فوجی انتظامات بھی ضروری ہوتے ہیں۔'' (۱۰۶)

① دفاع کے لیے ابتدائی انتظامات

دفاع مدینہ کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل ابتدائی انتظامات کا ذکر کیا ہے۔

(ا) مہاجرین کی بے روزگاری کا حل

اولین مسئلہ یہ تھا کہ مہاجرین کو کس طرح روزگار پر لگایا جائے اور کس طرح ان کی فوری ضرورتوں کو پورا کیا جائے؟ اس کے لیے آپ ﷺ نے مواخات کا طریقہ اختیار فرمایا۔ جس نے طرفۃ العین میں ان کی ساری مشکلات کو ختم کر دیا۔ (۱۰۷)

ب) یہود سے سیاسی سمجھوتہ

مدینہ میں عرب قبائل کے علاوہ یہودی بڑی تعداد میں بستے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور ایک مملکت کے قیام کی کوششیں شروع کیں تو اس وقت اس پچاس فیصدی آبادی سے سیاسی سمجھوتہ اس لیے ضروری ہو گیا تھا کہ انہیں قریش کا ناطرفدار بنا دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''سیاسی اور دفاعی ضرورتوں سے جب تک شہر مدینہ کی اس تقریباً پچاس فیصدی آبادی سے سمجھوتہ نہ ہو کوئی انتظام قابل اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔'' (۱۰۸)

چنانچہ دستورِ مدینہ کے تحت یہودیوں نے بھی اس وفاقی شہری مملکت میں شمولیت اختیار کی جس کی وجہ سے اندرونی خطرہ ٹل گیا۔ کیونکہ دستور مدینہ کی دفعات یہ بھی تھیں کہ یہودی آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر خود جنگ نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کہ وہ قریش اور قریش کے مددگاروں کو کوئی پناہ نہیں دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

''اس سلسلے میں یہ امر شاید درخور التفات سمجھا جائے گا کہ اس زمانے میں جب یہود نہ صرف مدینے کے مقامی کاروبار پر چھائے ہوئے تھے بلکہ شام سے یمن و عمان تک ان کی نو آبادیوں کا ایک زنجیرہ پڑا ہوا تھا اور بین الیہود باہمی تعاون خاصا مستحکم تھا تو مدینے کے یہودیوں سے اشتراکِ عمل نوخیز اسلامی مملکت کے لیے کم از کم یہ فائدہ ضرور رکھتا تھا کہ یہ معاشی قوت اس ابتدائی بے کسی کے زمانے میں مخالف پلڑے میں نہیں داخل ہو گئی۔'' (۱۰۹)

② دفاع کے لیے غیر فوجی انتظامات

غیر فوجی انتظامات میں دیگر قبائل عرب سے حلیفانہ معاہدات اور قریش مکہ کے تجارتی کارروانوں پر بندش لگانے کا ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''فوجی حفاظت کے لیے غیر فوجی اور سیاسی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں اور رسول کریم ﷺ نے اس کا ایک نمونہ پیش کیا کہ کس طرح مسلمانوں کی اس ابھرنے والی چھوٹی سی

سلطنت کو جس کے بہت سے دشمن تھے، ان دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے اور بچانے کا انتظام کیا جائے۔''(۱۱۰)

ا) قبائل عرب سے حلیفانہ معاہدات

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے بیرونی دفاع کے سلسلہ میں مختلف قبائل عرب سے جنگی حلیفی اختیار کی۔ تاریخ نے ایسے پانچ حلیفانہ معاہدات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مدینے کے جنوب میں قبیلہ جہینہ اور جنوب مغرب کے قبائل بنوضمرہ اور بنومدلج سے حلیفانہ معاہدات لیے۔ ان معاہدات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان پر غور کیجئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ مدینے کی بستی یا شہری ریاست کو محفوظ کرنے کی تدبیر اور اس انداز سے کی جا رہی ہے کہ مدینے کے اطراف کے علاقوں کو دوست بنا لیا جائے تا کہ اگر دشمن مدینے پر حملہ کرنا چاہے تو براہِ راست مدینے تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ مدینے تک پہنچنے سے پہلے ہی درمیان کے علاقوں میں ان کو رکاوٹوں سے سابقہ پڑے۔ ہمارے دوست وہاں ہوں گے وہ ہمیں بروقت اطلاع دیں گے ہم ان کی مدد کو جائیں گے اور اپنے دوست قبائل کی مدد سے اس دشمن کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ گویا ایک ''منڈل'' حلقہ قائم ہو گیا۔ چنانچہ مدینے کی حفاظت کے لیے مدینے کے اطراف دوستوں کی بستیاں قائم کرتے ہیں اور ان دوستوں کی مدد سے جنگی نقطۂ نظر سے مدینے کی حفاظت عمل میں آتی ہے۔''(۱۱۱)

ب) قریش کا رروانوں پر بندش

قریش کا روزگار زیادہ تر تجارت سے حاصل ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ عراق، شام، مصر اور فلسطین جایا کرتے تھے۔ شمالی راستہ اس علاقے سے گزرتا تھا جو مدینہ اور ینبوع کے مابین ہے۔ ہجرت کے چند مہینے بعد ہی اس علاقے کے باشندوں سے آنحضرت ﷺ نے محالفے پیدا کرنے شروع کر دیئے تھے اور جب اس کی ایک حد تک تکمیل ہو گئی تو ان قریشی کاررروانی کا راستہ بند کر دیا گیا اور جب وہ زور دکھا کر گزرنے لگے تو ان کے کارروانوں کو حق غنیم کے تحت لوٹ لیا جانے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے ساحلی راستہ مجبوراً ترک کر دیا اور صحرا میں سے ہو کر عراق جانے لگے

لیکن جلد ہی آنحضرت ﷺ کا اثر نجد تک پھیل گیا تو وہ راستہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔قریش کو بحرین اور یمامہ سے بھی غلہ ملتا ہے۔ان علاقوں پر اسلامی اثر کے پھیلنے، خاص کر ثمامہ بن اثال کے مسلمان ہونے پر غلے کی برآمد مکے کو روک دی گئی (۱۱۲) ذرائع معیشت کے بند ہونے سے قریش کو سخت دھچکا لگا اور ان کو مطیع کرنے کا یہ سب سے مؤثر ہتھیار ثابت ہوا۔

③ دفاع کے لیے فوجی انتظامات

دفاعِ مدینہ کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے فوجی انتظامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مسلمانوں کو ایک مستقل فوج رکھنے کا شروع میں کوئی خیال نہیں تھا۔رسول اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جہاد کرنا، مسلمانوں کا فریضہ ہے۔جس طرح نماز پڑھنا ایک فریضہ ہے اسی طرح جنگ میں حصہ لینا مسلمانوں کا ایک فریضہ ہے جو لوگ مسلمان تھے وہ اس پر ایمان رکھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک اور ملک کے سارے بالغ مرد (Potential Army) تھے جس وقت جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو ان میں سے لے لیتے۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک مستقل فوج تیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' (۱۱۳)

لوگوں کی فوجی تربیت کے لیے بھی انتظامات موجود تھے چنانچہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"The Prophet was much interested in peace time training, stocking of arms, horses, camels of transport and all else. Women participated in expeditions, generally as nurses, cooks and for administration, but in cases of emergencies they took up arms to fight also and there are many instances in the life of the Prophet". (114)

علاوہ ازیں فوجی نظم وضبط کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے صف بندی، مہم پر روانگی سے قبل فوج کا معائنہ اور شعار یعنی واچ اینڈ ورڈ کا ذکر کیا ہے۔ فوجی تیاریوں کے سلسلہ میں مختلف فنون حرب سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن نے محصور قلعے پر سے پتھر برسائے۔ مسلمانوں نے فوراً اس سے سبق لیا اور ایک ہی سال بعد آنحضرت ﷺ نے طائف کے محاصر میں منجنیق بھی اور مزید برآں دبابے بھی استعمال کیے تھے۔ طائف میں منجنیق کے علاوہ عرادا بھی برتا گیا جو منجنیق ہی کی طرح پتھر دور پھینکتا ہے۔ (۱۱۵)

نظام دفاع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف پیغمبر اور ہادی عالم تھے بلکہ بہترین سپہ سالار بھی تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی بہترین فوجی حکمت عملی کے تحت بغیر خون بہائے پورے عرب کو زیر نگین کرلیا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۔

۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۱۔

۳۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۲۰۴۔

۴۔ The Prophet's establishing a state and his succession, P.27 to 30

۵۔ دستور کے متن کے لیے دیکھیے: السیرۃ النبویہ، ۱۱۵/۲، عیون الاثر، ۲۲۷/۱، البدایہ والنھایۃ، ۲۳۸/۳، کتاب الاموال، ص ۲۱۵۔

۶۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈیمی، سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء ص ۸۱۔

۷۔ ایضاً، ص ۸۳۔

۸۔ المبسوط، ۸۶/۵، شرح السیر الکبیر، ۱۹۸/۱۔

۹۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۱۱۔ السیرۃ النبویۃ، ۲۰۳/۲، ۲۱۱۔

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱۳۱/۱۔

۱۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۸۵۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۸۷۔

۱۵۔ الطبقات الکبری، ۱۴۸/۱۔

۱۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۸۹۔

۱۷۔ الطبقات الکبری، ۱۲۹/۱۔

۱۸۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۹۶۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۹۶۔

۲۰۔ غزوہ حنین کی تفصیل کے لیے دیکھیے: عہدِ نبوی ﷺ کے میدان جنگ، ص ۸۲۔

۲۱۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۱ تا ۲۱۳۔

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ، ص ۱/۱۰۴۔

۲۳۔ الطبقات الکبریٰ، ۱/۱۳۵۔

۲۴۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۲۳۔

۲۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۱/۳۳، تاریخ الیعقوبی، ۲/۱۲، کتاب المحبر، ص ۱۶۳۔

۲۶۔ الطبقات الکبریٰ، ۱/۳۷، السیرۃ النبویہ، ۱/۲۱۷۔

۲۷۔ السیرۃ النبویۃ، ۴/۲۴۹، ۱/۹۷، البدایہ والنہایۃ، ۱/۵۷۳۔

۲۸۔ محمد بن حبیب البغدادی، کتاب المحبر، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ص ۲۶۵۔

۲۹۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۹۷۔

۳۰۔ الطبقات الکبریٰ، ۱/۳۳، تاریخ الیعقوبی، ۲/۱۲ کتاب المجر، ص ۱۶۳۔

۳۱۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲/۴۔

۳۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲/۴۔

۳۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۸۔

۳۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۱۹۔

۳۵۔ الانعام، ۶/۱۴۱۔

۳۶۔ التوبۃ، ۹/۶۰۔

۳۷۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۲۰۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۲۱۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۳۲۷۔

۴۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

۴۱۔ التوبہ، ۹/۶۰۔

۴۲۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آیی القرآن، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۶/۱۵۹۔

۴۳۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا القاہرہ، ۱۳۹۷ھ، ص ۱۳۶۔

۴۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۳۱۔

۴۵۔ الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۶۔

۴۶۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۲۹، تا ۳۳۴۔

۴۷۔ ایضاً،ص ۳۳۴، ۳۳۵۔

۴۸۔ السیرۃ النبویہ، ۳/۳۸۵۔

۴۹۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارہ ، باب فی ھدایا العمال ،۳/۱۳۵۔

۵۰۔ خطباتِ بہاولپور،ص ۲۹۱، ۲۹۲۔

۵۱۔ ایضاً،ص ۲۹۲۔

۵۲۔ ایضاً،ص ۲۹۳ نیز دیکھیے: The Prophet's establishing a state and his succession, P.30

۵۳۔ النجم، ۵۳/۳، ۴۔

۵۴۔ خطباتِ بہاولپور،ص ۲۹۴، ۲۹۵۔

۵۵۔ ایضاً،ص ۲۹۹۔

۵۶۔ حلف الفضول کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی مضمون دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۸/۵۱۲۔

۵۷۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی،ص ۱۴۴۔

۵۸۔ ایضاً،ص ص ۱۴۵۔

۵۹۔ ایضاً،ص ۱۴۶۔

۶۰۔ کتاب المعارف،ص ۳۶، السیرۃ النبویہ، ۱/۱۵۹، العقد الفرید، ۱/۶۲، کتاب المحبر ،ص ۱۸۱۔۱۳۵، کتاب الاغانی، ۳/۹۰، الاشتقاق، ۲/۱۶۴، البدایہ والنہایہ، ۱/۲۰۳۔

۶۱۔ ان مقدمات کی تفصیل کے لیے دیکھیے الاشتقاق، ۲/۱۶۴، کتاب المعارف،ص ۲۴۰، کتاب المحبر ،ص ۱۸۱، نھایۃ الارب فی فنون الادب، ۳/۱۳۲، کتاب المحبر ،ص ۲۵۸ میں لکھا ہے ’’وکان للعرب احکام ترجع الیھا فی امورھا وتتحاکم فی منافراتھا ومواریثھا ومیاھھا ودمائھا۔

۶۲۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی،ص ۱۵۳۔

۶۳۔ ایضاً،ص ۱۵۵۔

۶۴۔ التراتیب الاداریہ، ۱/۵۶۔

۶۵۔ صوبہ جاتی اور ضلعی افسروں میں سے معاذ بن جبلؓ، عمرو بن حزمؓ، اور ابوشاہ کا ذکر کیا ہے۔ الاستیعاب ۳/۴۶۰، ۲۵۷، تاریخ الامم والملوک، ۲/۳۸۸، الموطا،ص ۵۶۶۔

۶۶۔ الاستیعاب، ۳/۴۶۰۔

۶۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ ، باب اجتھاد الرای فی القضاء ۳/۳۲۔

۶۸۔ السیرۃ النبویہ، ۲۵۰/۴، الطبقات الکبریٰ، ۱۲۹/۱۔
۶۹۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی اس کا ذکر ہے۔
۷۰۔ انما الاعمال بالنیات
۷۱۔ الموطا، کتاب العقول ، باب جامع العقل، ص۸۵۱۔
۷۲۔ لا تزروازرۃ وزراخری۔
۷۳۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد ، کتاب القضاء ص۲۹۷/۲۔
۷۴۔ صحیح البخاری، کتاب الاحکام باب القضاء فی کثیر المال وقلیلہ، ۲۶۲۷/۶، الطرق الحکمیۃ، ص۹۴۔
۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ ، باب الیمین علی المدعی علیہ، ۲/۲، جامع ترمذی، کتاب الاحکام، ۶۲۵/۳۔
۷۶۔ السیرۃ النبویہ، ۸۰/۴۔
۷۷۔ سنن ابوداؤد، باب فی الحسبس فی الدین، ۳۱۳/۳۔
۷۸۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۱۸۵، ۱۸۶۔
۷۹۔ عیون الاخبار، ۱۰۳/۴۔
۸۰۔ محمد بن حبیب، غیلان بن سلمہ ثقفی کے بارے میں لکھتا ہے: وکان یجلس فی ایام الموسم فیحکم بین الناس یوما وینشد شعرہ یوما وینظرون الی وجھہ یوما۔ کتاب المحبر، ص۱۳۵۔
۸۱۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۱۹۱۔
۸۲۔ السیرۃ النبویہ، ۴/۲۴۷۔
۸۳۔ الاستیعاب، ۱۸۳/۴۔
۸۴۔ الطبقات الکبریٰ، ۲۶۰/۲، المنتظم، ۱۱۵/۳۔
۸۵۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ۱۰۶/۳۔
۸۶۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۱۹۶۔
۸۷۔ ایضاً، ص۱۹۷۔
۸۸۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی ، باب غزوۃ الرجیع، ۱۴۹۹/۴۔
۸۹۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۲۰۸۔
۹۰۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۱۹۸۔
۹۱۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص۲۰۰۔

۹۲۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔

۹۳۔ التراتیب الاداریہ، ۱/۱۲۹۔

۹۴۔ ایضاً، ص ۱/۱۲۵۔

۹۵۔ ایضاً، ۱/۱۲۵، ۲/۲۴۲۔

۹۶۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ، باب کسب المعلم، ۳/۲۶۲۔

۹۷۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۲۰۳۔

۹۸۔ التراتیب الاداریہ، ۲/۳۱۴، ۳۱۵۔

۹۹۔ ایضاً، ص/۲۳۹۔

۱۰۰۔ ایضاً، ۲/۳۰۳۔

۱۰۱۔ ایضاً، ۲/۳۱۲، نیز دیکھیے جامع بیان القلم، ص ۳۳۳۔

۱۰۲۔ التراتیب الاداریہ، ۲/۳۰۰۔

۱۰۳۔ ایضاً، ۲/۳۳۴۔

۱۰۴۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء، یوم علی حدة فی العلم، ۱/۵۰۔

۱۰۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، ماجآء فی الرقی، ۴/۱۰۔

۱۰۶۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۲۲۱۔

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۲۲۲۔

۱۰۸۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۵۴۔

۱۰۹۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۲۲۸۔

۱۱۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۲۲۴۔

۱۱۱۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۲۲۳۔

۱۱۲۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۲۴۷، ۲۴۸۔

۱۱۳۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۲۵۷۔

۱۱۴۔ The Prophet's establishing a state and his succession, P.38

۱۱۵۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۲۴۵۔۲۴۶۔